

پاک افغان تعلقات۔۔۔ ایک نیا موڑ؟

ڈاکٹر محمد اقبال خلیل[°]

پاکستان میں افغانستان کے معین سفیر ۸۸ سالہ ڈاکٹر حضرت عمر رضا جیلوال کے بیانات گذشتہ چند دنوں میں بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ چھے ماہ قبل جب ان کی تعیناتی عمل میں آئی تھی اور انہوں نے نسبتاً خاموش طبع جاناں موبی زئی کی جگہ لی تو اس وقت کسی کو اندازہ نہ تھا کہ یہ شخصیت آنے والے دنوں میں دو برادر اور ہمسایہ پڑوی ممالک کے درمیان تعلقات میں اتنا ہم اور کلیدی کردار ادا کرے گی۔

نئے صدر ڈاکٹر اشرف غنی نے، جو خود بھی ماہر اقتصادیات ہیں اور امریکا ہی سے کریمی حکومت کے دور میں آئے تھے، ان کو اپنی ٹیم میں شامل کیا۔ انہوں نے اس چار ملکی امن گروپ (QCG) میں افغانستان کی نمائندگی کی جو طالبان کے ساتھ امن مذاکرات کی راہ ہموار کرنے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ اس میں افغانستان اور پاکستان کے علاوہ امریکا اور چین بھی شامل ہیں۔ اسی گروپ کی کوششوں سے گذشتہ سال پاکستان میں طالبان کے ساتھ امن مذاکرات کا اعلان کیا گیا تھا لیکن پھر طالبان کے سربراہ ملا عمر کی وفات کی خبر آئی یا لائی گئی اور ان مذاکرات کو سبوتاش کر دیا گیا۔ اس سال پھر جب پاکستان نے امن مذاکرات کے لیے طالبان سے رابطے کیے تو اس پر افغان حکومت نے سخت روشنی کا اظہار کیا اور پاکستان کو کسی قسم کے مذاکراتی عمل سے منع کر دیا جو بڑا عجیب و غریب رویہ تھا۔ لیکن اب، جب کہ گذشتہ ماہ نو شکلی میں طالبان رہنمایا اختر منصور کو ڈرون حملے کے ذریعے مار دیا گیا اور اب طور میں افغان فورسز نے جارحانہ رویہ اختیار کیا تو

° ممبر بورڈ آف ڈائریکٹر انضباطی ٹیوٹ آف ریجنل سٹڈیز (آئی آر ایس)، پشاور

ماہنامہ علمی ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۱۶ء

صورت حال کچھ واضح ہوتی جا رہی ہے۔ ماہ اپریل میں افغان سفیر کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کی راہ ہموار ہو چکی ہے اور ہم بہت جلد افغان رہنماؤں کے ساتھ براہ راست امن مذاکرات شروع کر دیں گے، جب کہ قطر میں مقیم افغان طالبان کی مذاکراتی ٹیم کے سربراہ محمد نعیم نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو اپنی قیادت کی جانب سے ایسی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے مذاکرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب انھی افغان سفیر کا تازہ ترین ارشاد ہے کہ اگر پاکستان نے طور خم سرحد پر گیٹ کی تعییر کا کام ترک نہ کیا تو اس کو ٹنگیں متوجہ بھگلنے ہوں گے۔ وہ پہلے بھی اس طرح کے تندو تیز بیانات دے چکے ہیں۔

• ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ: طور خم کے سرحدی تنازع پر بات کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ تھوڑا سا اس کا جغرافیائی اور تاریخی پس منظر بیان کر دیا جائے۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان ۲۲ سو کلومیٹر لمبی سرحد ہے۔ جس میں بے شمار قدر تی اور بنائی ہوئی گزرگاہیں ہیں۔ ان میں سے ۷۸ راستے معلوم اور مشہور ہیں جن میں سے ۱۶ سرکاری طور پر طے شدہ سرحدی کراسنگ ہیں جن میں سے نوباقاعدہ بند کر دی گئی ہیں اور ساتھ فعال ہیں۔ ان میں سے دو بہت مشہور ہیں جن میں بلوجستان میں چمن اور قبائلی علاقوں میں طور خم شامل ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحدی لکیر ڈیورنڈ لائن کہلاتی ہے جو برعظیم پاک و ہند میں انگریز راج کے دور میں ۱۸۹۳ء میں افغانستان کے ولی امیر عبدالرحمٰن اور سر موئمر ڈیورنڈ کے درمیان طویل مذاکرات کے بعد طے ہوئی تھی۔ بعد میں آنے والی افغان حکومتوں نے اس معابرے کو منے سے انکار کیا تھا اور یہ تنازع ہنوز حل طلب ہے۔ اسی بنیاد پر پاکستان بننے کے بعد اقوام متحده میں پاکستان کی رکنیت پر افغانستان کے نمایندے نے اعتراض کیا تھا۔ اسی کو بنیاد بنا کر ایک طویل عرصتک افغان حکومت پختونستان کا راگ الائچی رہی اور پاکستان کے پختون قوم پرست ان کی میزبانی کے مزے لوٹتے رہے۔ اب بھی کابل اور جلال آباد میں پختونستان چوک قائم ہیں، البتہ حکومتی سطح پر پختونستان کا قصیہ قصہ پاریسہ بن چکا ہے۔ جہاد افغانستان نے اس علاقے پر جو دو رس اثرات مرتب کیے ہیں، ان میں بھی شامل ہے۔

مجاہدین اور طالبان کے دور حکومت میں یہ موقع تھا کہ ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ بھی باہم

مذاکرات کے ذریعے حل کر لیا جاتا لیکن اس کے لیے دونوں جانب سے کوئی پیش رفت نہ کی گئی۔ اب، جب کہ کابل میں افغان حکومت دوبارہ پختون قوم پرستوں کے ہاتھ میں آچکی ہے تو اس مسئلے پر بات چیت مشکل تر ہو گئی ہے۔ یہ ہے اصل میں طور خم کے سرحدی تنازع کا پس منظر جس پر کوئی بھی کھل کر بات نہیں کرتا۔ جب افغان سفیر حضرت عمر کے حوالے سے پاکستانی میڈیا میں ان کے خلاف ایک شور سا اٹھ گیا کہ عمر نے افغان ملت کے ساتھ دغا بازی کر کے امیر عبد الرحمن کی یاددازہ کر دی ہے۔ پاکستانی اداروں نے کہا کہ وہ ۱۰۰ امیٹر پاکستانی حدود کے اندر گیٹ کی تغیر کے لیے تیار ہوئے تھے، جب کہ عالم گیٹ ۳۷۲ میٹر اندر بنا یا جانے لگا جس پر افغان فوجوں نے فائزگ شروع کر دی، یعنی معاملہ صرف چند میٹر کا تھا۔ کئی قیمتی جانیں اس کی نذر ہو گئیں اور دو برادر ہمسایہ ملکوں کے درمیان ایک جنگی صورت حال پیدا ہو گئی۔ پاکستانی فوجی آفسر میجر علی جواد چنگیزی جو ایک خوب صورت انسان تھا ان میں شامل ہیں۔

مسئلہ صرف چند میٹر کا نہیں ہے بلکہ افغانستان کے mindset کا ہے جو کسی بھی صورت گیٹ کی تغیر کے لیے تیار نہیں اور اس کا اظہار اب افغان سفیر اپنے بیانات کے ذریعے کر رہے ہیں۔ پاکستان کے مشیر امور خارجہ سرتاج عزیز نے اب جا کر یہ بیان دیا ہے کہ انھوں نے افغانستان کے وزیر خارجہ صلاح الدین ربانی اور قومی سلامتی کے مشیر حنیف اتمر کو دعوت دی ہے کہ وہ پاکستان آ کر اس قصیبے پر مذاکرات کریں اور اس کا کوئی حل نکالیں۔ صلاح الدین سابق افغان صدر اور جمیعت اسلامی افغانستان کے سربراہ استاد برہان الدین ربانی مرحوم کے صاحبزادے ہیں جنھوں نے روئی تسلط کے خلاف جہاد افغانستان کی قیادت پاکستان میں بیٹھ کر کی تھی اور بعد میں نجیب انتظامیہ کے خاتمے پر ایک معاهدے کے تحت صبغۃ اللہ مجددی کے بعد افغانستان کے صدر بن گئے تھے لیکن معاهدے کی پابندی نہ کی اور کئی سال تک افغانستان کے صدر رہے۔ یہاں تک کہ طالبان نے آ کر ان کی حکومت ختم کی۔ حنیف اتمر کا پس منظر یہ ہے کہ وہ سابقہ کمیونٹ کے طور پر مشہور ہیں۔ وہ ڈاکٹر نجیب اللہ کے ساتھیوں میں سے تھے اور جب نجیب انتظامیہ نے حضرت مجددی کو اقتدار منتقل کیا تو اس عمل میں حنیف اتمر شامل تھے۔

• افغان حکومت: افغانستان کی موجودہ حکومت کی ۲۶ رکنی کاپینہ میں ڈاکٹر عبداللہ عبد اللہ گروپ اور ڈاکٹر اشرف غنی گروپ کے مساوی ارکان شامل ہیں۔ ان کے علاوہ معاونین کی ایک لمبی فہرست ہے۔ قوی وحدت کی خاطر بہت ساری تنظیموں اور گروپوں کو نامیدگی دی گئی ہے۔ حکومت نے سیاسی قوت کے ساتھ ساتھ عسکری قوت کے حصول کے لیے بھی خاصی تنگ و دوکی ہے۔ ۱۲ لاکھ کے لگ بھگ افغان فوج اور ایک لاکھ کی تعداد میں افغان پولیس گذشتہ عرصے میں تیار کی گئی ہے جس پر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے زرکشی خرچ کیا ہے۔ تاریخ میں پہلی بار افغانستان میں اتنی بڑی سرکاری فوج بنائی گئی ہے۔ امریکا نے ایک معاهدے کے تحت ۲۰۲۰ء تک اس کا خرچ اٹھانے کی حامی بھری ہے۔ البتہ فضائی فوج اس انداز میں نہیں بنائی گئی ہے جس طرح زمینی فوج تیار کی گئی ہے۔ امریکا نے پانچ فضائی اڈے اپنی تحویل میں رکھے ہیں جس پر اس کی فضائی طاقت موجود ہے۔ حال ہی میں امریکی صدر بارک اوباما نے ایک حکم نامے کے ذریعے امریکی فضائی افواج کی افغان فوج کی حمایت میں زیادہ بہتر استعمال کو لیکن بنایا ہے۔ امریکا کی اسٹرائیک فورس میں بھی اضافے کی تجویز ہے جس کی موجودہ تعداد ۹۶۰۰ ہے۔ دوسری جانب طالبان کی جانب سے بھی مزاحمت کا سلسلہ جاری ہے اور مختلف علاقوں میں افغان فوج پر ان کے حملوں اور علاقوں پر قبضے کے دعوے کیے جا رہے ہیں۔ طالبان جنوبی صوبوں میں اپنے مضبوط گڑھ سے آگے بڑھ کر شمالی صوبوں میں کارروائیاں کر رہے ہیں۔ گذشتہ ایک افسوسناک واقعہ میں انہوں نے قندوز جانے والی دویسوں کو روکا اور ان میں سے ۱۹ امسافروں کو وہیں پر مار دیا، جب کہ باقی کو یرغمال بنا لیا۔ اس واقعے کی پورے افغانستان میں عوامی سطح پر مذمت کی گئی۔

• داعش: طالبان کو ایک بڑی مشکل داعش کی صورت میں پیش آ رہی ہے جو اب مختلف علاقوں میں اپنے قدم جمارہ رہی ہے۔ عالمی سطح پر داعش کی کامیابیوں کی وجہ سے جہادی ذہن رکھنے والے نوجوان افغان داعش کی جانب رجوع کر رہے ہیں۔ لیکن افغانستان میں وہ حکومت کے لیے دردسر بننے کے ساتھ ساتھ افغان طالبان کے لیے بھی ایک بڑی مصیبت بن چکے ہیں۔ اسی خطرے کو بھانپتے ہوئے طالبان کے رہنماء اختر منصور نے داعش کے سربراہ البغدادی سے بہت پہلے اپیل کی تھی کہ وہ افغانستان میں تحریک طالبان ہی کو اپنانمایدہ سمجھیں اور داعش کی علیحدہ تنظیم نہ

بنائیں لیکن ان کی بات نہ مانی گئی اور اس کے اثرات کی جگہ محسوس کیے جا رہے ہیں۔ ننگہ ہار کے ضلع اچین میں انہوں نے مضبوطی سے قدم بھالیے ہیں اور وہاں سے طالبان کا غصباً کر دیا ہے۔ اب حکومت اپنی فضائی اور زمینی کارروائیوں کے ذریعے اس مشکل پہاڑی علاقے میں داعش کے خلاف سرگرمیاں کر رہی ہے اور سیکھوں افراد کو ہلاک کرنے کے دعوے کر رہی ہے۔ یہ علاقہ بھی پاکستان سے منسلک ہے۔ طالبان کے نئے سربراہ ملا ہبیت اللہ کے لیے بھی یہ ایک بڑا چینچ ہو گا۔

• حزبِ اسلامی: افغانستان میں ایک اہم قوت اخنیبر گل بدین حکمت یار کی حزبِ اسلامی ہے جس کی پڑھے لکھے نوجوانوں میں موثر حمایت موجود ہے۔ ایک زمانے میں یہ تنظیم عسکری لحاظ سے افغانستان میں متاثرین پوزیشن پر تھی لیکن اب اس کی وہ حیثیت نہیں رہی ہے اور اس کے کئی ارکان عسکریت چھوڑ کر کابل اور جلال آباد میں آباد ہو گئے ہیں۔ اس میں سے ایک گروپ اس وقت حکومت میں بھی شامل ہے جس کی قیادت مولوی سرفراز کر رہے ہیں۔ اب ڈاکٹر اشرف غنی کی حکومت نے حزبِ اسلامی کے ساتھ باقاعدہ مذاکرات کر کے حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے۔ اخنیبر حکمت یار کے نمایندے ڈاکٹر غیرت بہر اور ان کے ساتھی مذاکراتی عمل میں شرکت کے لیے کابل میں موجود ہیں۔ ایک معہدے پر اتفاق ہو گیا ہے جس کی تصدیق ہونا بھی باقی ہے۔ اخنیبر حکمت یار کی جانب سے اب تک توثیق ہونے کا اعلان نہیں ہوا۔ افغانستان کی بدلتی ہوئی صورت حال میں اس اعلان کی بہت اہمیت ہے، البتہ اس کی مخالفت میں بھی کئی طاقت و اور عناصر پیش پیش ہیں جو حکومتی ایوانوں میں موجود ہیں۔ یہ ایک مشکل فیصلہ ہو گا جس کی تنقیب حکومت اور حزبِ اسلامی دونوں کے لیے بہت بڑا چینچ ہو گا۔

• امریکا: افغانستان میں کامل حکومت کے ساتھ ساتھ امریکی انتظامیہ کا کردار بھی بہت اہم ہے جو بارک اوباما کی مدت صدارت میں خاتمے کے قریب ہونے کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ آئندہ دور میں امریکا کے نزدیک افغانستان کی وہ حیثیت نہیں رہے گی جو گذشتہ ۱۵ اسال میں رہی ہے۔ امریکا نے افغانستان میں کھربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے۔ اس کے پیش نظر وہ چاہتا ہے کہ آئندہ بھی کلیدی کردار اس کا رہے لیکن خرچ کرنے کے معاملے میں اور افرادی قوت کے استعمال میں وہ محتاط رویہ اختیار کر رہا ہے۔ اس لیے اس کی خواہش ہے کہ

افغانستان میں طالبان کی واپسی کو روکنے کے لیے اس کو قابل اعتماد پا رکھ دستیاب ہوں۔

چین اور بھارت یہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔ چین افغانستان کے سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا، البتہ اقتصادی اور ترقیاتی منصوبوں میں دل چھپی رکھتا ہے۔ جلال آباد سے کابل تک دور ویہ ہائی وے کی تعمیر ایک چینی کمپنی کر رہی ہے۔ البتہ بھارت کا افغانستان میں کردار بہت اہم ہے اور وہ آئندہ بھی افغانستان میں اور اس سے آگے بڑھ کر وسط ایشیا میں اپنے لیے تجارتی منڈیوں کا حصول چاہتا ہے۔

• بھارت: بھارت نے افغانستان میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی ہے۔ ایک ترقی پذیر ملک ہونے کے باوجود اس نے دہلی ڈارکی خطیر رقم سے بڑے منصوبے افغانستان میں کمل کیے ہیں۔ ان میں دلارام ڈارخن ہائی وے شامل ہے جو افغانستان کو ایران کی چاہ بہار بندگاہ سے ملاتی ہے۔ قندھار سے ہمین بولڈک روڈ کا ٹھیکہ بھی بھارت کے پاس ہے۔ اسی طرح سلمہ ڈیم، بجلی کی فراہمی کے بڑے منصوبے سڑکوں کی تعمیر، ٹرانسپورٹ کی سہولتیں، تعلیمی وظائف، افغان سول بیورو کریسی اور فوجی افسران کی تربیت وغیرہ منصوبے روپہ عمل ہیں۔ اس سال ماہ اپریل میں بھارتی وزیر اعظم نریندر سنگھ مودی نے کابل میں پارلیمنٹ ہاؤس کا افتتاح کرنے کے بعد اچانک لاہور کا دورہ کیا اور وزیر اعظم نواز شریف کی نواسی کی شادی کی مبارک باد کے لیے رائے وندھ پہنچ گئے اور پھر وہاں سے دہلی روانہ ہوئے۔ وہ اس محفل کین ذمہ دوڑے سے کیا پیغام دینا چاہ رہے تھے اس کا ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ افغانستان کا الیکٹرائیک میڈیا کمکمل طور پر بھارت کے مرہون منت ہے۔ ۵۰ سے زائد افغان ٹی وی چینلز بھارتی دور درشن کے خلافی جہاز سے سکنل وصول کرتے ہیں اور ان نشریات کا معاوضہ بھارت نے بہت کم رکھا ہے۔ اس لیے اب جب پاکستانی سیاست دان بیان دیتے ہیں کہ افغان میڈیا بھارت کا حامی ہے تو اس کے پیچھے بھارتی منصوبہ بندی اور سرمایہ کاری ہے۔ امریکا اور بھارت میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں طالبان کی واپسی نہیں چاہتے۔ ایران بھی افغانستان کا ایک اہم تزویریاتی پا رکھ رہے ہیں۔ پہلے حامد کرزی حکومت اور اب ڈاکٹر اشرف غنی کی حکومت کو ایران کی مکمل حمایت حاصل ہے۔

• ایران: ایران نے بھی افغانستان میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی ہے۔ اس نے

خاص طور پر تعلیمی میدان میں بڑے بڑے ادارے اور جامعات قائم کی ہیں۔ افغانستان کی شیعہ آبادی اور ہزارہ قوم کو اس کی کمل تائید حاصل ہے۔ کابل کی خاتم الانبیاء یونیورسٹی میں ان کے طالب علمون کو بڑی آسانی سے پی اچ ڈی کی اعلیٰ ترین ڈگری مل جاتی ہے۔ یہ افغانستان میں مشینی ڈگری کے نام سے مشہور ہے۔ سنتی تعلیم کی وجہ سے سنسنی طلبہ بھی یہاں داخلہ لیتے ہیں۔ ایران بھی افغانستان میں طالبان حکومت کی واپسی نہیں چاہتا۔ البتہ اس نے تحریک طالبان کی قیادت سے رابطہ رکھا ہوا ہے اور تہران میں منعقد ہونے والی میں الاقوامی کانفرنس میں ان کی شرکت بھی نظر آتی ہے۔

- پاکستان: پاکستان کا معاملہ افغانستان میں خاصاً تنازع ہے۔ ایک طرف اس کے ثابت پہلو میں جن میں دونوں کی اکثریتی آبادی کا سنی مسلم ہونا، مشترکہ ہمسایگی، مشترکہ ثقافت، زبان، قبل شامل ہیں۔ پاکستان کی بندرگاہ کراچی افغانستان کے لیے بھی اسی طرح استعمال ہوتی ہے جس طرح پاکستان کے لیے ہے۔ ہرسال تقریباً ۵ ہزار کنٹیئر سامان یہاں سے جاتا ہے۔ پاکستان کا سب سے بڑا کارنامہ ان لاکھوں پناہ گزیوں کی مہمان نوازی اور خدمت ہے جنہوں نے کے عشرے میں افغانستان پر روتی جا رہیت کے دوران پاکستان میں پناہ لی اور ۳۵ لاکھ کے لگ بھگ مہماں جریں اس وقت بھی یہاں موجود ہیں۔ پاکستان کے خلاف نکات میں تاریخی ڈیورنڈ لائن کا تنازع ہے اور اس وقت طالبان کی حمایت کا الزام ہے۔ ایک اور مسئلہ تزویریاتی گہرائی (Strategic Depth) کا بھی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بھارت کے مقابلے میں افغانستان پاکستان کو اگر اپنی سرزی میں اور فضای استعمال کرنے دے تو پاکستان کو دفاعی طور پر آسانی ہو گی۔ سنہ ۲۰۰۷ کے زمانے سے یہ اصطلاح استعمال میں آئی اور بھارتی پروپیگنڈا کا موضوع بنی لیکن موجودہ دور میں اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔ ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ البتہ زیادہ گبھر اور پیچیدہ ہے اور دونوں ممالک کسی بھی مرحلے پر اس موضوع پر بات کرنے سے کتراتے رہے ہیں۔ پاکستان کی یقیناً خواہش رہی ہے کہ اس پر بات کی جائے اور اس کو حل کر لیا جائے لیکن افغان قیادت کبھی بھی اس پوزیشن میں نہیں رہی کہ اس مسئلے پر دونوں بات کر سکے اور اب بھی ایسا ہی ہے۔ زمینی حقیقت کے طور پر اس کو تسلیم کیا جا چکا ہے لیکن رسمی طور پر کوئی معاملہ نہیں ہوا۔ شاید آئندہ بھی ایسا رہے۔ اب بھی جب طور خم پر گیٹ کی تنصیب کا تنازع اٹھا ہے تو افغانستان کی جانب سے اس طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا گیا ہے لیکن

پس منظر میں بھی مسئلہ ہے۔ طالبان کی حمایت کا الزام اب پرانا ہو چکا ہے لیکن پھر بھی دہرایا جاتا ہے۔ طالبان کی کسی بھی کارروائی کو پاکستان کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ افغان صدر براہ راست پاکستان کے چیف آف آرمی اسٹاف جزل راجیل شریف سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔ جزل راجیل شریف خود چھئے مرتبہ افغانستان جا چکے ہیں۔ آئیں آئی کے سربراہ جا چکے ہیں۔ خفیہ معلومات کا تبادلہ کیا جا رہا ہے۔

پاکستان اور افغانستان کے درمیان تجارتی و کاروباری تعلقات کسی بھی اور ملک کے مقابلے میں بڑھ کر ہیں۔ کئی معابدے بھی ہو چکے ہیں۔ مشترکہ چیزبرآف کامرس بھی ۲۰۱۰ء میں بنائے۔ افغانستان کی درآمد میں پاکستان کا حصہ ۲۵٪ ۹ فیصد ہے، جب کہ برآمدات میں ۳۲٪ ۳ فیصد ہے۔ دونوں کے درمیان APTTA کا نیا تجارتی معابدہ بھی ہوا ہے۔ باہمی تجارت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جس کا کل جم ۴۵۰ ملین ڈالر سے بڑھ چکا ہے اور پاکستان کے حق میں ہے۔

پاکستان نے افغانستان کی تعمیر نو میں بھی اپنا حصہ ڈالا ہے۔ پاکستان نے اس مدد میں ۳۳۰ ملین ڈالر خرچ کیے ہیں جو بھارت کے ۲ بلین ڈالر کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ جلال آباد طورخم روڈ کی تعمیر پاکستان کا منصوبہ تھا۔ تعلیم کے میدان میں پاکستان کے منصوبوں میں کابل میں رحمن بابا اسکول، کابل یونیورسٹی میں علامہ اقبال فیکٹری، جلال آباد میں سر سید فیکٹری اور لخ میں لیاقت علی خان فیکٹری کی تعمیر شامل ہے۔ اسکوں کے طلبہ کے لیے کتب اور کاپیوں کی فراہمی، ۵۰ رائی بویس گاڑیاں، ۲۰۰۰ ملٹرک اور ۱۰۰ ایسیس بھی عطیہ کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تیل، گیس، معدنیات اور بجلی کے منصوبوں میں پاکستان نے امداد بھی پہنچائی ہے۔ مستقبل میں پاک افغان باہمی تعلقات اور تجارت کے فروع کے بے پناہ امکانات موجود ہیں۔ پاک چاننا کارڈیور کے مغربی روٹ کو افغانستان سے منسلک کرنے کا آپشن موجود ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے ریلوے کا نظام جو اہزر اے سو ۸ کلومیٹر طویل انگریز دور کا تعمیر کر دہ ہے پہلے ہی طورخم تک پہنچایا گیا تھا۔ اس کو اگر افغانستان تک پہنچا دیا جائے اور پھر اس سے آگے وسط ایشیا کے ریلوے نظام سے جوڑ دیا جائے تو اس پورے خط کی تغیری بدل سکتی ہے۔ چین اس عظیم منصوبے میں بھی دل چھپی لے رہا ہے۔

ڈاکٹر اشرف غنی نے برسراقتدار آنے کے بعد نومبر ۲۰۱۳ء کو پاکستان کا دورہ کیا اور پاکستان کے لیے نیک خواہشات اور اچھے و ثابت جذبات کا اظہار کیا۔ پاکستانی قیادت نے بھی بھرپور جواب دیا اور پاکستانی وزیر اعظم میاں نواز شریف نے افغان حکومت کو مکمل حمایت کی یقین دہانی کروائی۔ افغانستان میں امن کا قیام اور اس کی سلامتی پاکستان کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ روئی افواج کے انخلا کے بعد افغانستان جس بری طرح سے باہمی جنگ وجہل اور شکست و ریخت سے دو چار ہوا، امریکی انخلا کے بعد اس کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔ افغانستان میں متحارب گروپوں کے درمیان انٹرا افغان مذاکرات اور اس کے نتیجے میں جنگ کا خاتمه اور امن و سلامتی کا قیام جتنا افغانستان کے لیے لازمی ہے اتنا پاکستان کی بھی ضرورت ہے۔ ایسے موقعے پر طویخم سرحد پر خونپتاں واقعنا قابل برداشت اور خطرناک مضرمات کا حامل ہے۔

پاکستان کے وزیر اعظم میاں نواز شریف کے عارضہ قلب اور سرجری کے دوران اور بعد میں ملکی انتظام اور انصرام چلانے والی کوئی شخصیت نظر نہیں آئی جو بہت بڑا قومی مسئلہ ہے۔ وفاقی وزیر جنرل عبدالقدیر بلوج نے ایک اخباری بیان میں طویخم واقعے کو ہمارت کی سازش قرار دیا لیکن اس کا توڑکیا ہے اور کون کرے گا؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔ افواج پاکستان کے سپہ سالار جنرل راجیل شریف اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں لیکن سیاسی قیادت کا کردار مختلف اور دوسرے انداز میں ہوتا ہے۔ سفارتکاری کی اہمیت دنیا میں ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کی جاتی ہے۔ بین الاقوامی مسائل کا حل حکمت عملی اور لچک دار رویے سے ہی ممکن ہوتا ہے۔

اس دور میں مسلم امت ایک کرب اور تکلیف سے دو چار ہے۔ ہر جانب خون خراب اور بتاہی و بر بادی کی خبریں ہیں۔ عراق و شام میں ایک خوف ناک صورت حال پیدا ہو چکی ہے۔ اس موقعے پر پاکستان اور افغانستان کے درمیان تصادم ایک اور المیہ کو جنم دے سکتا ہے۔ کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہے۔ اس لیے پاکستان اور افغانستان دونوں اطراف کی قیادت کو ان خطرات کے سد باب کے لیے منجدی سے کام کرنا ہو گا۔ ضروری ہے کہ فوری اقدامات اٹھائے جائیں۔ پاکستان اور افغانستان کا مفاد ایک ہے اور ہم سب اس کے امین ہیں۔